# اردو کی کہانی ، شیرانی کی زبانی

«پنجاب میں اردو» پہلی بار ۱۹۲۸ء میں شائع ہوئی ۔ حافظ محمود خاں شیرانی اس وقت اسلامیہ کالج لاہور میں فارسی کے پروفیسر تھے ۔ اسی سال یونیورسٹی اورینٹل کالج میں اردو ، ہندی اور پنجابی کی ایک ایک لیکچرار شپ قائم ہوئی تو پروفیسر شیرانی یکم اکتوبر ۱۹۲۸ء کو شعبۂ اردو کے بانی استاد کی حیثیت سے پنجاب یونیورسٹی میں آ گئے ۔ اب اردو کی تحقیق کا مسئلہ ذوق ہونے کے علاوہ ان کا منصبی معاملہ بھی بن گیا ۔ اپنی مذکورہ بالا اولین اردو تالیف میں شیرانی نے پنجاب میں اردو کے آغاز کا معرکہ آرا نظریہ پیش کیا تھا ۔ اس کے بعد انھوں نے اپنے کئی تحقیقی مضامین میں، جو اورینٹل کالج میگزین میں چھپتے رہے ، لسانی مباحث کا یہ سلسلہ جاری رکھا جس میں اپنے پیش کردہ نظریے کی توثیق کی اور اپنی بعض آرا اور تحقیقات میں ترمیم و اضافہ بھی کیا ۔ لسانیات کی تاریخ میں پروفیسر شیرانی کا نظریہ چودھویں صدی ہجری کا اہم ترین علمی تحفہ تھا ۔ بعد میں ہونے والی عالمانہ لسانی تحقیقات کا بے لاگ جائزہ لیا جائے تو شیرانی کا یہ علمی تحفہ پندرھویں صدی ہجری اور آنے والے زمانوں میں بھی اپنی تازگی و توانائی کے ساتھ دعوت فکر دے رہا ہوگا ۔

ڈاکٹر سید عبداللہ

# اقبال صاحب[1]

مست سہل ہمیں جانو پھرتا ہے فلک برسوں
تب خاک کے پردے سے انسان نکلتے ہیں

غالباً ۱۹۲۳ء میں جب اورینٹل کالج ابھی گرجے والی پرانی عمارت میں تھا میں نے اقبال صاحب کو پہلی مرتبہ دیکھا - اس موقع پر پروفیسر محمد شفیع صاحب[2] ان کے ہمراہ تھے - پنجاب یونیورسٹی میں اقبال صاحب کے تقرر کا شاید یہ پہلا دن تھا اور شفیع صاحب ان کو اورینٹل کالج میں بہ سلسلۂ تعارف لائے تھے—نوجوان ، خوش رو ، خوش وضع ، سفید ریشمی اچکن ، سفید پتلون اور پست دیوار کی گول ترکی ٹوپی—یہ اقبال صاحب تھے - ان کی شخصیت اور انفرادیت کا ہر شخص پر بڑا اثر ہوا - میں اس زمانے میں مولوی عالم جماعت کا طالب العلم تھا اور نو عمری کی وجہ سے علم و فضیلت کے درجوں اور معیاروں سے تقریباً بے خبر تھا - اس لیے اس وقت ان کے علمی رتبے کا بجز اس کے کچھ اندازہ نہ کر سکتا تھا کہ وہ انگلستان سے بہت بڑی ڈگری لے کر آئے ہیں مگر اس میں کچھ شک نہیں کہ ان کی خالص مشرقی وضع (جو ہمیشہ قائم رہی) اور شخصیت اور شکل و شمائل سے میں بھی غایت درجہ متاثر ہوا -

۱۹۲۴ء میں ، ایم - اے فارسی کا طالب العلم بن کر ان کی خدمت میں حاضر ہوا - ان سے براہ راست ملنے اور ہم کلام ہونے کا یہ پہلا موقع تھا - زندگی میں کسی یونیورسٹی پروفیسر سے ملاقات کا تجربہ اس سے پہلے نہ ہوا تھا - اس وجہ سے مجھ پر پروفیسروں کا بڑا رعب تھا اور پنجاب یونیورسٹی کے ایک نامور پروفیسر کی ملاقات کے خیال سے تو میں اس قدر ڈر رہا تھا کہ انٹرویو سے دو دن قبل تمام متوقع سوالات بنا کر ان کے جوابات سوچتا اور لکھتا رہا اور چونکہ زبانی سوالات کا موقعہ تھا اس لیے بولنے کی مشق بھی کرتا رہا - آخرکار ایک دن صبح کے وقت یونیورسٹی ہال کی بالائی منزل کے جنوب مشرقی کمرے میں دوسرے طلبا کے ہمراہ ایم - اے فارسی کے داخلے کے ابتدائی مکالمے کی منزل سے گزرا - یہاں پروفیسر محمد اقبال صاحب کو پہلی دفعہ قریب سے دیکھا -

---

۱- ہم استاد محترم ڈاکٹر شیخ محمد اقبال ، ایم - اے ، پی ایچ - ڈی کا نام اسی بے تکلفی سے لیا کرتے تھے -

۲- جو اس زمانے میں اورینٹل کالج کے وائس پرنسپل تھے -

اس موقع پر پروفیسر صاحب کے اخلاق و شرافت کا نہایت خوشگوار تجربہ ہوا۔ ہونٹوں پر تبسم ، آنکھوں میں شفقت ، باتوں میں شرافت ، نہایت خندہ پیشانی سے مصافحہ کے لیے ہاتھ بڑھایا اور سامنے کی ایک کرسی پر بیٹھنے کو کہا ۔ یہ کسی حد تک حاکمانہ ضبط و نظم کا زمانہ تھا جس سے تعلیمی ادارے بھی مستثنیٰ نہ تھے ہماری معاشرت سے ان دنوں اس قسم کی شرافتیں کسی حد تک مفقود ہو چکی تھیں اس حسنِ سلوک کو دیکھ کر میں کچھ دیر متحیر رہا ۔ کبھی ان کی عظمت کا خیال کرتا تھا ۔ کبھی اپنی حیثیت پر نظر ڈالتا تھا ۔ سمجھ میں نہ آتا تھا کہ میرے ساتھ ان کے اس غیر معمولی سلوک کا سبب کیا ہے ؟ کوئی سابقہ جان پہچان نہ تھی کہ اس شریفانہ سلوک کو اس سے منسوب کرتا ۔ بہرحال چند منٹ سوال جواب ہوئے (اور وہ بھی توقع کے خلاف اردو میں) ۔ اس کے بعد وہ پھر اٹھ کھڑے ہوئے اور اسی اخلاق اور شرافت کے ساتھ مصافحہ کرتے ہوئے رخصت کیا ۔ باہر آ کر دوسرے رفقا سے معلوم ہوا کہ وہ سب سے اسی طرح پیش آئے ہیں ۔ ان کے سلوک سے میرے سب ہم جماعت متاثر تھے ۔ سب کا متفقہ احساس تھا کہ پروفیسر محمد اقبال اخلاق و شرافت کی مجسم تصویر ہیں ۔ اس کے بعد کم و بیش پچیس سال تک مجھے ان سے نیاز مندی رہی۔ ان کے اعلیٰ اخلاق کا جو نقش پہلے دن قائم ہوا وہ آخر تک برابر قائم رہا اور کبھی ایسا موقع نہ آیا جب اس اولین تاثر میں تغیر و تبدل کی کوئی وجہ پیدا ہوئی ہو۔ بلکہ قرب اور ربط کی گہرائی سے یہ نقوش اور زیادہ شوخ اور نمایاں ہوتے گئے ۔

پروفیسر اقبال مختلف الحیثیات شخص تھے ۔ عالم ، محقق ، ناقد ، مدرس ، منتظم ، منصرم—یہ سب حیثیتیں ان کی ذات میں جمع تھیں مگر میری رائے میں وہ اولاً مدرس تھے ۔ غالباً سب سے زیادہ ذاتی شغف انھیں اسی مشغلے سے تھا۔ وہ تدریس کو ایک مقدس فریضہ خیال کرتے تھے ۔ جس شوق و محبت سے وہ اپنی تدریسی عمر کے اوائل میں تدریس کی طرف توجہ کرتے تھے بیس پچیس سال گزر جانے پر بھی اسی شوق و شغف سے تعلیم و تربیت کا فرض انجام دیتے نظر آئے۔ اسباق کی تیاری میں اور لیکچروں کے لیے یادداشتیں مرتب کرنے میں آخر تک محنت اور تلاش کا ثبوت دیتے رہے ۔

اقبال صاحب کے لیکچر نہایت دلچسپ اور پراز معلومات ہوتے تھے ۔ ان کو خدا نے غیر معمولی حافظہ عطا فرمایا تھا ۔ اس کی بدولت ان کی تقریر میں بے شمار علمی نکات اور فوائد خود بخود جمع ہو جاتے تھے ۔ وہ پیش نظر موضوع کو روشن سے روشن تر کرتے جاتے تھے ۔ زندگی کے عام معمولات کی طرح لیکچر کے وقت بھی بڑے وقار اور سکون سے گفتگو کیا کرتے تھے ۔ بے ضرورت عجلت ، یا تیز گفتاری یا لہجے کا مد و جزر یا پر جوش اضطراری کیفیت—ان میں سے کوئی چیز بھی ان

کی گفتگو سے ظاہر نہ ہوتی تھی - ایک پر سکون ، نرم رو ، دریا کی طرح ہموار ، بڑے لطیف انداز میں باتیں کرتے جاتے اور سبق میں ایسی دلچسپی پیدا کرتے کہ مدتوں تک طبیعت میں دھیمی دھیمی لذت باقی رہتی -

تدریس میں ہر کامیاب استاد اور مدرس کا اپنی اپنی طبیعت اور رجحان کے مطابق ایک خاص نصب العین ہوا کرتا ہے - اقبال صاحب کا نصب العین یہ تھا کہ طلبہ کے دل میں مضمون کی محبت پیدا ہو - مضمون سے وابستگی پیدا کرنے کے لیے وہ اپنی تقریروں میں دلچسپی کے بہت سے پہلو پیدا کر لیا کرتے تھے - کبھی بذلہ سنجی اور لطیف مزاح سے کام لیتے - کبھی تاریخ سے حاصل کی ہوئی حکایات سے ، کبھی اساتذۂ مغرب کے اقوال و منقولات سے—مگر ان سب سے زیادہ دلچسپی ان کو شعر سے تھی - چنانچہ عربی ، فارسی اور اردو کے نامور شعراً کے منتخب اشعار سے اپنے لیکچروں کو نہ صرف دلچسپ بناتے بلکہ ضمنی طور پر علمی اور ادبی ذوق کی تربیت بھی کرتے جاتے تھے -

انھیں فارسی اردو کے بہت سے شعراً کا کلام یاد تھا مگر خیام ، انیس اور اکبر الہ آبادی سے ان کی محبت عشق کی حد تک بڑھی ہوئی تھی - خیام کے فلسفۂ حیات اور انیس کی مصوری کے مداح تھے اور اکبر الہ آبادی کو اخلاقیات قومی کا نباض اور مصلح قرار دیتے تھے - میرا خیال ہے کہ انھیں ان تینوں شاعروں کا تقریباً سارا کلام ازبر تھا - چنانچہ ان کے ایک ایک شعر سے انھیں لاتعداد دوسرے شعر دفعتاً سوجھ جاتے تھے - شعر پڑھنے کا طریقہ بھی نہایت موثر ہوتا تھا - شعر پڑھتے وقت ان کی آنکھوں کی اور چہرے کی عجیب کیفیت ہو جاتی تھی - یوں محسوس ہوتا گویا شعر ان کی شخصیت اور جذبات کے سینکڑوں تاروں کو چھیڑتا آتا ہے - جدید شعراً میں اکبر الہ آبادی ان کے محبوب ترین شاعر تھے- انکی شاعری کے اُس حصے سے انھیں خاص دلبستگی تھی جس کا تعلق اخلاق قومی سے ہے - پردہ داری اور مشرقیت—اکبر کے ان دونوں موضوعوں کی شاعری کو وہ بہت سراہا کرتے تھے - علی گڑھ سے وہ بہت متاثر تھے مگر علی گڑھ پر مغرب پسندی اور تفرنج کا جو رنگ چڑھ چکا تھا اس کے وہ (اکبر کی مانند) سخت مخالف تھے- شاید یہ اکبر کی شاعری کا عملی اثر تھا کہ زندگی بھر مشرقی وضع کو قائم رکھا اور انگریزی اور انگریزیت کے کبھی دلدادہ نہ ہوئے - ہمیشہ ترکی ٹوپی اور اچکن پہنتے رہے اور جہاں تک ممکن ہوا انگریزی کی بجائے مخاطب سے اردو ہی میں بات کی -

رسمی رنگ کے علاوہ ان کی تدریس کا ایک غیر رسمی رنگ بھی تھا - کلاس کے کمرے کے باہر بھی اپنے شاگردوں کے لیے ملنے کے مواقع پیدا کیا کرتے تھے - یہ صورت ان کے مکان پر یا کسی ہوٹل میں پیدا کی جاتی تھی جہاں ایک شفیق استاد ہونے کے علاوہ وہ ایک کشادہ دل میزبان بھی ہوتے تھے - ان دعوتوں میں ضیافت